وہ ایک کھلا ہوا ظلم ہے اور بوقت نیلام ان املاک کو خریدنا تعاون علی الظلم والعدوان ہے جو اسلام کی مقدس رہنمائی کے لیے کسی طرح بھی قابل برداشت نہیں۔ لہٰذا ان املاک کو خریدنا مسلمانوں کے لیے ہرگز جائز نہیں۔

اس فتوے کے شائع ہوتے ہی دور دور تک گویا آگ ہی لگ گئی۔ حکام وقت نے اس کا سخت نوٹس لیا۔ جامعہ ڈابھیل کے کارپرداز گارڈی سیٹھ اور دوسروں سے باز پرس ہوئی کہ تمھارے مدرسہ کے مفتی نے یہ کیا تہلکہ مچادیا ہے۔ سیٹھوں کی کاروباری مصلحتیں حکام سے وابستہ تھیں انھوں نے مفتی صاحبؒ سے خدمتِ افتاء واپس لینا چاہی لیکن مفتی صاحبؒ کی خوددار اور حساس فطرت نے اس پورے پس منظر کو دیکھتے ہوئے جامعہ ڈابھیل سے قطع تعلق کو بہتر سمجھا۔

یہاں سے مفتی صاحبؒ کے قیام کلکتہ کا دور شروع ہوتا ہے جو کم و بیش پانچ سال تک ممتد ہوا، اور وہاں سے مفتی صاحب اپنی زندگی کا دوسرا تعمیری مشن یعنی ندوۃ المصنفین ایک نوخیز ادارہ کے ابتدائی شکل میں ہمراہ لے کر دہلی آگئے۔ یہ ۱۹۳۸ء کی بات تھی۔ ندوۃ المصنفین اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ دہلی کے ایک صاف ستھرے علاقہ میں قائم ہوا اور مفتی صاحب کی غیر معمولی انتظامی صلاحیتوں اور ذوق و پسند کی نفاستوں نے اُس کو دن دونی رات چوگنی ترقی سے ہمکنار کیا۔ مگر یہاں بھی فتاوٰی کے لیے مفتی صاحب کی طرف رجوعات جاری رہی اور اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ مفتی صاحب فتوے بھی لکھتے رہے۔ ۱۹۴۷ء بلکہ ۱۹۵۰ء تک کے عرصہ میں ہزاروں فتوے انھوں نے تحریر فرمائے۔ اُن کے دفتری ریکارڈ میں ایک ضخیم رجسٹر دستیاب ہوا ہے جس میں مفتی صاحب

کے تحریر کردہ سیکڑوں فتاویٰ کی نقل ہے۔ بہت سے فتووں پر حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ، مولانا قاری یوسف صاحب اور دوسرے معاصرین کی تصدیق و تصویب بھی ثبت ہے ان میں بیشتر فتاوی نکاح و طلاق کے معاملات یا اُس دور کے نئے ابھرے ہوئے مسائل۔ رویت ہلال، ریڈیو، ٹیلیفون وغیرہ کی خبروں کی شرعی قیمت، اذان و نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال وغیرہ سے متعلق ہیں ان مسائل میں مفتی صاحبؒ کا نقطۂ نظر وہی تھا جو علماء حق کا مختار مسلک ہے۔

۱۹۴۸ء اور ۱۹۵۰ء کے بعد جب ملک کے سیاسی اور ہنگامی حالات نے بحرانی صورت اختیار کر لی اور مفتی صاحبؒ کا بیشتر وقت ہنگامی کاموں میں گھر کر رہ گیا تو مفتی صاحبؒ نے عملاً فتوے لکھنے موقوف کر دیے چوں کہ فتویٰ نویسی کے لیے جو یکسوئی اور ذہنی سکون و فرصت درکار ہے، شب و روز کے ہنگاموں میں اُس کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ گئی تھی، پھر بھی جب کوئی مستفتی کسی معاملہ میں مفتی صاحب سے رجوع کرتا تو وہ اپنی مجبوری اور معذرت پیش کرتے ہوئے دوسرے علماء کرام کی طرف معاملہ کو محوّل فرما دیتے۔ تاہم کسی معاملہ کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے وہ اپنے ان حالات میں بھی کبھی کبھی فتوے تحریر فرماتے رہے۔

ہم ذیل میں جو فتویٰ نقل کر رہے ہیں وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے اس دور کا ایک نازک اور اہم مسئلہ ہے جس پر مفتی صاحبؒ نے بڑی احتیاط کے ساتھ مستفتی کو اپنے جواب سے مستفید فرمایا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۴ر اپریل ۱۹۷۹ء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:

موضع منچلے گاؤں ضلع بیڑ (مہاراشٹر) میں زراعتی مقاصد یعنی زرائع آبپاشی فراہم کرنے کے لیے ایک ذخیرۂ آب (ڈیم۔ DAM) بنانے کا سرکاری منصوبہ ہے جس سے لاکھوں ایکڑ بنجر زمین سیراب ہوکر غذائی پیداوار کے قابل بن جائے گی، اس کے لیے استعمال ہونے والا علاقہ زمین کے درمیان ایک چھوٹی سی غیر آباد مسجد ہے جس میں بمشکل آٹھ یا دس آدمی بوقت واحد نماز ادا کرسکتے ہیں مگر اس میں اذان وصلوٰۃ بالکل بند ہے اور ایک درگاہ موسومہ بہ مانک شاہ بابا بھی اسی علاقہ میں ہے۔ ان دونوں مذہبی عمارات کو محفوظ کرتے ہوئے آبپاشی کا یہ منصوبہ پورا کرنا ممکن نہیں ہے، اسی لیے ان دونوں عمارتوں یعنی مسجد و درگاہ کو یہاں سے منتقل کرکے دوسری جگہ تعمیر کرنے کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔ درگاہ کی حد تک مقامی باشندے جن میں ہندو اور مسلمان شامل ہیں رضامند ہیں کہ اس کو یہاں سے لے جاکر دوسری جگہ بنوا دیا جائے۔ البتہ مسجد کے لیے شرعی وفقہی احکامات کی رو سے علماء دین کا فتویٰ ضروری ہے۔ حکومت دوسری جگہ مسجد تعمیر کرکے دینے یا اس کے معاوضہ کے لیے ڈیڑھ لاکھ کی رقم ٹرسٹ (TRUST) کو دینے پر تیار ہے۔

کیا اس طرح مسجد و درگاہ کو رفاہِ عام کی غرض سے ان کی موجودہ جگہ پر منہدم کرکے دوسری جگہ تعمیر کیا جاسکتا ہے؟ شریعت اسلامی کا اس میں کیا حکم ہے؟

براہ کرم جواب سے فوری اطلاع دیں۔ فقط

احقر ڈاکٹر اسحاق جمخانہ والا بمعرفت جناب شیخ عبدالستار

بالپے ہاؤز، دوسری رابوری، ضلع تھانہ، مہاراشٹر

الجواب

اِس طرح کے معاملات انتہائی نازک اور دور رس نتائج کے حامل ہوتے ہیں، فقہ حنفی کے مفتی بہ قول کے مطابق جو مسجد ایک مرتبہ مسجد ہو جاتی ہے، ہمیشہ مسجد ہی رہتی ہے، حالات کا کوئی انقلاب اور زمانے کی کوئی گردش اس کی مسجدیت کو فنا نہیں کر سکتی اور حقیقت یہ ہے کہ فقہ حنفی کا یہ شرعی حکم زبردست حکمت و مصلحت پر مبنی ہے کہ اسی حکم سے مسجدوں کا مؤثر تحفظ ہو سکتا ہے۔ بنا بریں اس فیصلے کے مطابق صورت مسئولہ میں اس مسجد کو منہدم کرنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا، کیوں کہ اس سے بے شمار فتنوں کا دروازہ کھل جاتا ہے اور مسجدوں کی حفاظت کی ضمانت باقی نہیں رہتی۔

اس تمہید اور ضروری تشریح کے بعد اس خاص معاملے میں فتوے کی حیثیت سے بالکل الگ یہ اہم سوال ہے کہ آخر کار اس کا حل کیا ہو، فقہی تصریحات میں کچھ ایسے اشارے ملتے ہیں جن کی بنا پر یہ ضرور سوچنا پڑتا ہے کہ اگر یہ چھوٹی سی مسجد عرصہ سے غیر آباد چلی آرہی ہے اور اس میں مدت مدید سے نماز نہیں ہوتی اور مستقبل میں بھی اس کی آبادی کی کوئی صورت نہیں ہے اور اہم تر مفاد عامہ کے پیش نظر حکومت جبر و قہر سے نہیں بلکہ مسلمانوں کی رضامندی سے مسجد کی اس جگہ کے بدلے میں دوسری جدید مسجد تعمیر کرنے کے لیے آمادہ ہے اور عام مسلمان دوسری مسجد کی ضرورت اور افادیت کو محسوس کرتے ہوئے حکومت کی اس پیش کش کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں تو ان غیر معمولی مخصوص حالات میں اتنے بڑے مفاد کو دیکھتے ہوئے اس کی گنجایش ہونی چاہیئے کہ اس غیر آباد اور ویران مسجد کا ضروری سامان دوسری جدید مسجد کی تعمیر میں لگا دیا جائے۔ ولو بنی مسجداً فضاق علی اھلہ والطریق واسع ولاضرر علی اھل الطریق اخذ

من الطریق ووسع المسجد کما یجوز العکس لان الامرین فی مصلحۃ العامۃ احکام المعاملات نصف اول۔ ص ۲۹۱

ولو خرب المسجد وما حولہ وتفرق الناس عنہ لا یعود الی ملک الواقف عند ابی یوسف فیباع نقضہ باذن القاضی ویصرف ثمنہ الی بعض المساجد (شامی مع درالمختار جلد ۳ ص ۵۱۳)

ولاھل المحلۃ تحویل باب المسجد (خانیہ) وفی جامع الفتاوی لھم تحویل المسجد الی مکان اخر ان ترکوہ بحیث لا یصلی فیہ ولھم بیع مسجد عتیق لم یعرف بانیہ وصرف ثمنہ فی مسجد اخر الخ

(شامی جلد ۳ ص ۵۱۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عتیق الرحمٰن عثمانی

ندوۃ المصنفین، اردو بازار، دہلی

۳۰ جمادی الثانی ۱۳۹۹ھ

مطابق ۲۷ مئی ۱۹۷۹ء

یہ تھا مفتی صاحب کا انداز فکر و تصنیف۔ شرعی مصالح اور اوامر و احکام کو پوری جرأت و استقامت کے ساتھ ملحوظ رکھتے ہوئے وہ الجھنوں اور مشکلات کا عملی حل خود منشاء شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے ضرور تلاش کرنا چاہتے تھے، وہ انتہائی پختگی کے ساتھ اس کے قائل تھے کہ حدود اللہ اور شریعت اسلامیہ کے محکمات اوامر و نواہی جن کا بیشتر تعلق بنیادی عقائد اور فرائض و محرمات سے ہے سر بمہر ازلی و ابدی حقیقت ہیں۔ کسی بھی دور اور کسی بھی حال میں اُن کو فکری تاویلات اور موشگافیوں کے لیے اُپن (OPEN) نہیں

کیا جاسکتا۔ البتہ فروعات اور عملی طور طریقوں سے متعلق تفصیلات میں وقت کے تقاضوں اور زندگی کی واقعی مصلحتوں کے لیے بہت کچھ گنجائشیں ہیں اور اُن میں جمود، تنگ نظری اور ذہنی خشکی سے کام لینا، دین مبین کی بخشی ہوئی آسائشوں سے رُوگردانی اور خام خیالی کے مرادف ہے۔

دینی معاملات پر بات چیت کرتے ہوئے مفتی صاحبؒ بسا اوقات لسانِ نبوت سے صادر شدہ یہ کلمات طیبات دُہرایا کرتے تھے کہ

الدین یسرٌ فیسروا ولا تعسروا

مجھے یاد ہے کہ ایک موقعہ پر ہندوستان کے سابق چیف جسٹس مسٹر ہدایت اللہ سے مفتی صاحبؒ کی گفتگو مسلمانوں کو درپیش مسائل و مشکلات پر ہو رہی تھی اور محورِ بحث یہ تھا کہ جس دین برحق کی نفع بخشیوں اور بے لاگ ہدایت و رہنمائی سے ابدالآباد تک، انسانی دنیا کو شرق و غرب میں، بحر و بر میں، گرم و سرد میں، جنگ و امن میں، صحت و مرض میں، فقر و فراخی میں، سازگار اور ناساز ماحول میں، تہی دستی اور پسماندگی میں اور عروج تمدن کی آسائشوں میں یکساں فیض حاصل کرنا ہے، ایسے بابرکت اور عظیم مخزنِ رشد و ہدایت میں انسانی فطرت اور ظروفِ زمان و مکان کا کتنا لحاظ، کتنی لچک اور لوچ ہونا ضروری ہے کہ انسانی زندگی پر عملی گنجائشوں کا دروازہ کسی حال اور کسی دور میں بھی بند نہ ہو سکے اور اُس دین برحق کی رہنمائی میں انسان ہر ہموار اور سنگلاخ راستہ سے کامیاب و بامراد گزر سکے۔ فھل من مدکر؟

حضرت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی

اور ان کا قابلِ تقلید کردار

(از حکیم سید حسین دہلوی)

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کی ذات گرامی محتاجِ تعارف نہیں حضرت مفتی صاحب مذہبیات اُردو ادب اور سیاست ملکی میں بڑی بصیرت کے حامل تھے۔ آپ ہندوستان کے مفتخر علماء دین میں سے تھے، مفتی صاحب مرحوم مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی کے فرزند ارجمند تھے، آپ کے تایا مفتی حبیب الرحمٰن عثمانی مدتِ مدید تک مہتمم دارالعلوم دیوبند رہے، آپ کے حقیقی چچا مولانا شبیر احمد عثمانی اپنے علم و فضل اور سیاسی سوجھ بوجھ میں اپنی مثال آپ تھے حضرت مولانا محمد احمد خلف حضرت مولانا نانوتوی کے انتقال کے بعد مفتی حبیب الرحمٰن عثمانی نے بمشورہ مجلس شوریٰ مولانا قاری محمد طیب صاحب جو حضرت نانوتوی کے پوتے اور مولانا محمد احمد صاحب مرحوم کے صاحبزادے تھے نائب مہتمم دارالعلوم نام زد فرمایا جس پر بعض علماء کو اختلاف ہوا، ان علماء کا کہنا تھا، کہ دارالعلوم وقف ہے۔ اس لئے اس منصب کے لئے متبحر عالم مدبر اور تجربہ کار شخصیت کو نام زد کرنا چاہیئے، چونکہ قاری طیب صاحب اُس زمانہ میں نوجوان اور ناتجربہ کار شخص تھے بعض علماء نے حضرت انور شاہ صاحب کشمیری جو صدر مدرس اور شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند تھے اُن کو ورغلا کر جامع مسجد میں اس تقرر کے خلاف آواز بلند کرائی، جب اس واقعہ کا علم مفتی حبیب الرحمٰن عثمانی کو ہوا تو اُنھوں نے ایک پروانہ جاری فرمایا جس میں تحریر تھا، کہ جن کو اس تقرر سے

اختلاف ہے وہ اپنے کو دار العلوم سے خارج سمجھے اور دار العلوم چھوڑ کر چلا جائے۔ یہ پروانہ جس وقت حضرت مولانا انور شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا اُس وقت وہ طلباء کو درسِ حدیث دے رہے تھے، آپ نے پروانہ پڑھنے کے ساتھ ہی حدیث شریف کی کتاب بند کر دی اور طلباء کو کہا کہ چونکہ مجھے اس تقرر سے اختلاف ہے، اس لئے میں دار العلوم سے رخصت ہوتا ہوں حضرت انور شاہ کے اس عزم و اعلان کے بعد بعض طلبا جن میں حضرت مفتی عتیق الرحمان عثمانی اور مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمٰن کے نام نامی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں اور اساتذہ میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی حضرت شاہ صاحب کے ہمرکاب ہو گئے۔ اور یہ سب حضرات دیوبند سے ڈابھیل ضلع احمد آباد گجرات چلے گئے اور وہاں جاکر حضرت انور شاہ نے دار العلوم ڈابھیل قائم کر دیا، جو آج ایک عظیم دینی و علمی دار العلوم کی حیثیت کا حامل ہے اور ہندوستان کے اوّل درجہ کی درسگاہوں میں اس کا شمار کیا جاتا ہے۔

حضرت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی مدتِ مدید تک دار العلوم ڈابھیل میں فاضل مفتی کی خدمات انجام دیتے رہے حضرت مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی میں بڑی خوبی یہ تھی کہ بریلوی دیوبندی اختلافی مسائل میں وسعتِ نظری سے کام لیتے تھے، وہ مسائل پر تنگ نظری اور جانبدارانہ مسلک کو فراستِ دینی کے خلاف تصور فرماتے تھے، وہ مسئلہ کے سیاق و سباق پر گہرے مطالعہ کی روشنی میں تبصرہ کر کے فتویٰ صادر فرماتے تھے، وہ اپنی نجی گفتگو میں اکثر فرمایا کرتے تھے، کہ بین الاخلاف اختلاف انگریزوں کے پٹھوؤں کی کارستانی کا نتیجہ ہے۔ اس لئے جو اب فتویٰ قطعاً غیر جانبدارانہ ہونا چاہیے جو علماء جانبداری سے جواب لکھتے ہیں وہ معصیت میں مبتلا ہوتے ہیں، اللہ ہم کو صراطِ مستقیم اور صحیح سوجھ بوجھ کی توفیق عطا فرمائے

سیاسی ماحول میں بھی آپ مسائل کے دونوں پہلوؤں پر واضح تبصرہ فرمانے کے بعد اظہارِ رائے فرمایا کرتے تھے، زیادہ تر آپ مسائل سیاسی کو سمو کر حل کرانے کے حامی تھے جب کسی ڈیلیگیشن میں وزیر اعظم ہند صدر جمہوریہ یا کسی دیگر ارباب حل و عقد سے گفتگو فرماتے

تو بہت ہی نرم و سادہ الفاظ میں مسائل پر روشنی ڈال کر اپنا مدعا بیان فرماتے جو قابلِ قبول ہوتا۔

حضرت مفتی صاحب جب موضوع تصوف پر گفتگو فرماتے تو فرماتے کہ ہم بھی نقشبندی ہیں اور میرے بزرگ حضرت نانوتوی اور اُن کے بزرگ طریقت حضرت مولانا امداد اللہ مہاجر مکی چشتی تھے، ان بزرگانِ دین نے جو دینی خدمات انجام دی ہیں ہم سب مل کر بھی اس کے عشرِ عشیر کے برابر دینی و تبلیغی خدمات انجام دینے میں قاصر ہیں۔ اللہ تعالےٰ اُن کی قبور کو نور سے بھرے اور ہمیں ان کے چلن پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت مفتی صاحب اختلافی مسائل کو بڑھاوا دینے کے قائل نہیں تھے، وہ ان مسائل پر نہ زورِ قلم سے کام لیتے تھے اور نہ زورِ بیان سے وہ مرنجان مرنج شخصیت کے حامل تھے۔ اگر وہ کبھی میلاد النبیؐ کی مجلس میں شریک ہوتے اور قیام کرنے کے لئے حاضرین کھڑے ہوتے تو حضرت مفتی صاحب بھی خاموش کھڑے رہتے، کبھی دیکھنے میں نہیں آیا کہ آپ ایسی مجلس سے اٹھ کر چلے آئے ہوں، یا قیام سے قبل وہاں سے ٹل گئے ہوں، وہ فرماتے تھے ؎

تو برائے وصل کردن آمدی
نہ برائے فصل کردن آمدی

وہ مصلحت آمیز گفتگو کرنے میں اپنی مثال آپ تھے، وہ اختلافی مسائل میں اپنا نقطۂ نظر مدلل اور موزوں انداز بیان میں واضح فرما دیتے تھے، سخت سے سخت اختلاف والے کو بھی مناسب الفاظ میں ظاہر فرما دیتے تھے، مجاہدِ ملت اکثر مسائل میں آپ سے مشورہ لیتے اور آپ کے تدبر اور سوجھ بوجھ کے قائل تھے۔

مجاہدِ ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن کے انتقال کے بعد جب جمعیۃ العلما ہند کا نیا انتخاب ہونے والا تھا، اور جمعیۃ کے دستور کے مطابق صوبہ جمعیۃ علماء صدارت

کی نامزدگی کے لئے نام مانگے گئے، تو صوبوں نے حضرت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اور حضرت مولانا سید فخر الدین شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کے ناموں کی سفارش کی پھر صوبائی جمعیتوں کو موصوفین کے نام بھیجے گئے، کہ وہ کسی ایک نام کا انتخاب کر کے بھیجیں، صوبجاتی آراء کچھ اس انداز میں آئیں کہ مرکزی جمعیۃ علماء ہند نے مناسب سمجھا کہ اجلاس عام جمعیۃ علماء ہند میں یہ نام پیش کر کے کھلے اجلاس میں صدر کا انتخاب عمل میں لایا جائے چنانچہ اجلاس عام میرٹھ میں یہ تجویز زیرِ غور آئی، حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی کا گروہ مولانا فخر الدین شیخ الحدیث دار العلوم کا حامی تھا، اور مولانا شاہد فاخری کا گروہ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کا، اجلاس عام میں بڑی رد و قدح کے بعد طے پایا کہ مولانا فخر الدین صاحب صدر اور مفتی عتیق الرحمٰن صاحب ورکنگ صدر ہوں گے۔ اس اعلان کے بعد مسئلہ اصولی طور پر حل ہو گیا تھا لیکن مفتی عتیق الرحمان عثمانی کے حامی اس فیصلے کو تسلیم کرنے سے گریزاں تھے جس میں مفتی ضیاء الحق، مولانا سید انیس الحسن، مولانا حافظ اللہ انصاری غازی مولود مسعود صاحب کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، ان حضرات کی خواہش تھی کہ اسی پنڈال میں متبادل جمعیۃ العلماء ہند کا انعقاد عمل میں لایا جائے اور مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی کو صدر چن لیا جائے جب اس گروپ کا ذمہ داروں نے شیخ عبد الحق پراچہ مرحوم اور مجھ حکیم سید حسین دہلوی سے مشورہ کیا تو ہم دونوں نے ان کی ابن رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ وہ جانتے تھے اگر ان دونوں نے اتفاق نہ کیا بیل منڈھے نہیں چڑھے گی۔ ہم پر بہت زور ڈالا گیا ہم نے یہ کہہ کر اپنا پیچھا چھڑایا، کہ ہم ذرا اکابر علماء سے مشورہ کر لیں پھر جو بات طے ہو گی اس پر عمل کریں گے سب سے پہلے ہم دونوں نے حضرت مولانا شاہد فاخری سے مشورہ کیا، مولانا آپے سے باہر ہو گئے۔ فرمانے لگے اگر تم کو جماعت کا فیصلہ منظور نہیں ہے تو جماعت سے استعفیٰ دے دو۔ جماعتی فیصلے سے انحراف جماعتی اصولوں کے منافی ہے، مولانا شاہد فاخری صاحب کے اس جواب کے

بعد ہم نے امیرِ شریعت بہار حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی سے مشورہ کیا، حضرت مولانا نے بھی مولانا شاہد فاخری کے مشورہ کی تائید کی، پھر ہم دونوں مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کی خدمت میں پہنچے، ان کو واقعات بیان کر کے اُن کی رائے معلوم کی حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ ایک زمانہ میں کانپور والوں نے متوازی جمعیۃ تشکیل کی تھی، اس کا حشر میری آنکھوں کے سامنے ہے میں اپنے ماتھے پر ایسا کلنک کا ٹیکہ نہیں لگوانا چاہتا کہ میری وجہ سے جماعت میں پھوٹ پڑی اور جماعت کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ان آراء کے حاصل کرنے کے بعد ہم نے کھل کر اختلاف کیا جس کی وجہ سے متوازی جمعیۃ علماء کا جواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

کچھ عرصہ تک حضرت مفتی صاحب بطور ورکنگ صدر پابندی کے ساتھ شیخ عبدالحق پراچہ کے ساتھ مرکزی دفتر آتے رہے اور جماعتی خدمات انجام دیتے رہے۔

مولانا انیس الحسن وغیرہ کی کوشش سے جمعیۃ علماء مدھیہ پردیش کے ارکان نے متوازی جمعیۃ علماء ہند کے قیام کے لئے بھوپال میں اجتماع کیا جس کے کرتا دھرتا مولانا صدرالدین صاحب انصاری بھوپالی وغیرہ تھے، میں اور شیخ عبدالحق پراچہ اس اجلاس میں بن بلائے پہنچے، مولانا صدرالدین انصاری نے بڑے اعزاز کے ساتھ ہم کو مدعو کیا لیکن ہم مجلس میں اس لئے شریک نہیں ہوئے کہ ہم کو حاضر ممبران مولانا اسعد مدنی صاحب کے حامی سمجھتے تھے آخر کار وہاں بھی ہماری اسکیم کامیاب ہوئی، وہاں بھی جلسۂ عام میں مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی نے انھیں خیالات کا اظہار کیا جو وہ ہم سے میرٹھ میں کر چکے تھے۔

اس واقعہ کے تقریباً ایک سال بعد گیا بہار میں جمعیۃ علماء ہند کا کھلا اجلاس ہوا، مولانا اسعد مدنی نے بمشورہ ورکنگ کمیٹی چند علماء کو نامزد کیا کہ وہ مفتی صاحب کو گیا کے اجلاسِ عام کی شرکت کے لئے آمادہ کریں، ان علماء میں بھی بعض حضرات مفتی صاحب کی شرکت کے حامی نہیں تھے۔ مفتی ضیاء الحق وغیرہ نے مفتی صاحب کو شرکت قبول نہ کرنے پر زور دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ مفتی صاحب نے شرکت سے صاف انکار کر دیا۔

مولانا سید اسعد مدنی صاحب باوجود اس اختلاف کے مفتی صاحب کے پاس مشورہ کرنے آتے جاتے رہے، مفتی صاحب میں لاکھ روپے کی بات یہ تھی کہ وہ مشورہ بے لاگ اور مفید دے دیا کرتے تھے، اور اپنے مزاج کے مطابق دونوں پہلوؤں پر مفصل روشنی ڈال دیا کرتے تھے۔

مفتی صاحب کا یہ کردار ناقابلِ فراموش ہے مفتی صاحب کی دانشمندی، معاملہ فہمی و فراست کے سب ہی قائل تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو مراتب علیا سے سرفراز فرمائے اور ہم کو بھی صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

پیغام

(از زنجن سنگھ لانبہ)

جناب مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی۔ چند ایک شردھا کے پھول تحریر خدمت ہیں۔ سچائی، دیانتداری، غریب پروری، ہر ایک مظلوم کی مدد دل و جان سے کرنی۔ خواہ کوئی مذہب ہو، یہ اثر میرے دل پر ہے۔ اور تا زندگی رہے گا۔ عرصۂ دراز تعلق رہا، مگر ظالم موت نے ہم سے ایک عظیم انسان کی جان لے لی۔

میری دلی دعا ہے۔ کہ پروردگار ان کی روح کو شانتی دیں اور اپنے دربار میں (خدا) کے دربار میں جگہ دیں اور بہشت میں اعلیٰ مقام ملے۔

مفتی صاحب کی وفات کے بعد بھی میرا تعلق اُن کے صاحبزادہ عبید الرحمٰن عثمانی اور انکے پاک ادارے سے بالکل اسی طرح جڑا ہوا ہے۔ اور صاحبزادہ عبید الرحمٰن عثمانی مجھ سے بہت لگاؤ رکھتے ہیں۔

فقط خیر اندیش: زنجن سنگھ لانبہ

وہ بہار جو پھر کبھی لوٹ نہ سکی

کی کچھ پرانی یادیں

قاری محمد ادریس صاحب امام جامع مسجد، فیروز دہلی

مفتی صاحبؒ نے اپنے کمال علم وفضل کے ساتھ جس آن بان کی زندگی گذاری اور فکر وقلم کے جو اعلیٰ مشاغل اپنائے اُن میں راہ سلوک وتصوف کی وہ اعلیٰ نسبت جو حضرت موصوف کو حاصل تھی، کچھ زیادہ نمایاں نہ ہوسکی، مگر واقعہ یہ ہے کہ اُن کو سلسلۂ نقشبندیہ چشتیہ سے وابستگی موروثی نعمت وسعادت کے طور پر حاصل تھی اور عمر بھر وہ اپنے وظائف واوراد کے پابند رہے اور ہمیشہ ذکرِ خفی کو پسند فرماتے رہے۔

اُن کے والدِ ماجد مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ اپنے وقت کے بڑے اہل اللہ میں شمار کئے گئے ہیں۔ اُنہیں شاہ عبدالغنی صاحبؒ ومولانا رفیع الدین صاحبؒ کے توسل سے حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مستند سلسلہ سے بیعت وارشاد کی اجازت حاصل ہوئی تھی اور اپنے وقت میں ہزاروں بندگانِ الٰہی نے اُن کے ہاتھ پر بیعت وارادت کا فیض پایا تھا۔

میرے دادا جان مولانا قاری محمد اسحاق صاحب میرٹھیؒ حضرت موصوف کے باقاعدہ مجاز اور جانشین بیعت وارشاد تھے۔ وہ مستقل طور پر دہلی میں نہر سعادت خاں کے کنارہ پل بنگش کے قریب ایک بالاخانہ میں رہائش رکھتے تھے چچا جان قاری محمد یعقوب صاحب مرحوم دادا جان کے ساتھ ہی رہتے تھے، اور والد مرحوم (مولانا قاری محمد یوسف صاحب) کی بھی قریبی حملہ میں